محرم الحرام حقیقت کے آئینے میں!

ازافادات: علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ ومولانا عبدالسلام رحمانیؒ

محرم الحرام ان چار مہینوں میں سے ایک ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے "حرمت والے مہینے" قرار دیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ حرمت والے مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب ہیں۔(بخاری کتاب التفسیر سورۃ براءۃ)

اسی مہینے سے ہجری سن شروع ہوتا ہے۔ہجری سن کا استعمال رسول اللہ ﷺ کے عہد میں نہیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شروع ہوا۔اس سے پہلے لوگ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ہجرت اور وفات کے درمیانی سنن کو خاص خاص نام سے موسوم کیا کرتے تھے۔مثلاً ہجرت کے بعد والے پہلے سال کو "سنہ اذان" دوسرے کو "سنہ امر بالقتال" تیسرے کو "سنہ تمحیص" چوتھے کو "سنہ ترفہ" پانچویں کو "سنہ زلزال" چھٹے کو "سنہ استیناس" ساتویں کو "سنہ استغلاب" آٹھویں کو "سنہ استوار" نویں کو "سنہ براۃ" دسویں کو "سنہ وداع" کے نام سے یاد کرتے تھے لیکن ظاہر ہے اس طرح سنین کا تسلسل قائم رکھنا ممکن نہ تھا۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت 17ھ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جب کہ وہ یمن کے گورنر تھے حضرت عمرؓ کو اس طرف توجہ دلائی تو امیر المومنین حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا اور حضرت علیؓ کے مشورے سے رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے واقعہ کو اسلامی سنہ کی ابتداء قرار دے کر اسلامی سنین کا شمار شروع کیا اور چونکہ 13ھ سن نبوت کے ماہ ذی الحجہ کے اواخر میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا عزم کر لیا گیا تھا اور اس کے بعد جو چاند نکلا وہ محرم کا تھا اس لئے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے مشورہ سے محرم کو ہجری سال کا پہلا مہینہ قرار دیا گیا۔(فتح الباری کتاب مناقب الانصار باب التاریخ، تحت حدیث 3934۔رحمۃ للعالمین جلد 3، باب ہشتم)۔

دین کی حفاظت وصیانت اور اس کی سربلندی کیلئے رسول اللہ ﷺ نے اپنا آبائی وطن مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف جو ہجرت فرمائی تھی اور جس کی اقتداء آپؐ کے جانثار مہاجر صحابہ نے کی تھی۔یہ ہجری سن ہمیں اس واقعہ کی یاد دلاتا ہے اور اگر دینی حس بیدار ہو تو دین کی بقا وسربلندی کیلئے قربانی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔اور یہ ماہ محرم

الحرام جسے اسلامی سن کا پہلا مہینہ ہونے کا شرف حاصل ہے اور جو حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے اس کی دسویں تاریخ کو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے روزہ رکھا ہے۔ اور اس دن کے روزہ کو ایک خصوصی فضیلت والا روزہ قرار دیا ہے۔ رمضان کے روزے کی فرضیت سے پہلے محرم کی دسویں تاریخ (یوم عاشوراء) کا روزہ فرض تھا بعد میں یہ روزہ فرض تو نہیں رہا لیکن اس روزے کی مشروعیت برقرار رہی۔ اس دسویں تاریخ کو رسول اللہ ﷺ کی وفات پر نصف صدی کا عرصہ گذر جانے کے بعد محرم 61ھ میں وہ واقعہ پیش آیا جو واقعہ کربلا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جو اسلامی تاریخ کا مشہور ترین واقعہ بن گیا ہے اور جس واقعہ نے استحقاق سے زیادہ ہمیں اپنی طرف کھینچا اور ضرورت سے زیادہ ہمیں الجھایا ہے۔ اس واقعہ کا حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ اس کو نیکی و بدی، یا جمہوریت و ملوکیت کی لڑائی کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ قطعاً بے بنیاد ہے۔

فضائل و مسائل یوم عاشوراء

حضرت عائشہؓ نے فرمایا: قریش زمانہ جاہلیت میں یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ بھی جاہلیت میں عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے پھر جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو بھی آپؐ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی حکم دیا، مگر جب رمضان کے روزے فرض کئے گئے تو آپؐ نے اس کا اہتمام ترک کر دیا اور فرمایا اب جو چاہے عاشوراء کا روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے (بخاری و مسلم و ابوداؤد باب صیام یوم عاشوراء)۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ عاشوراء کے دن یہود روزہ رکھتے ہیں، فرمایا یہ کیا معاملہ ہے تم لوگ کیوں اس دن روزہ رکھتے ہو؟ تو انہوں نے بتایا کہ یہ ایک اچھا دن ہے، اسی دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن فرعون سے نجات دلائی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرقاب کر دیا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے بطور شکر یہ اس دن روزہ رکھا تھا اور ہم بھی اسی خوشی میں روزہ رکھتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا ہم موسیٰ علیہ اسلام کے (شریک مسرت ہونے میں) تم سے زیادہ مستحق ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس خوشی میں شرکت اور اس پر ادائے شکر کی نیت سے اس دن کا روزہ رکھنا شروع کیا اور صحابہ کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری و مسلم)۔ ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یوم عاشوراء کے سوا اور اس ماہ رمضان کے سوا کسی اور دن کو دوسرے دنوں سے افضل جان کر خاص طور سے روزہ رکھتے نہیں دیکھا ہے۔ (بخاری و مسلم)۔ سلمہؓ بن اکوع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ بنو اسلم کے ایک شخص کو لوگوں میں اعلان کر دینے کا حکم دیا کہ جو کھا چکا ہو تو وہ

دن کے باقی حصہ میں کھانے پینے سے رکا رہے اور جس نے نہ کھایا ہوا سے روزہ رکھ لینا چاہیے کیونکہ آج عاشوراء کا دن ہے۔ (بخاری و مسلم)۔ ربیع بنت معوذ نے کہا کہ عاشوراء کی صبح کو رسول اللہ ﷺ نے انصار کی بستیوں میں کہلا بھیجا کہ صبح جس نے کھا پی لیا ہو وہ دن کا باقی حصہ (روزہ دار کی طرح) پورا کرے اور جس نے کچھ کھایا پیا نہ ہو وہ روزے سے رہے۔ ربیع نے کہا کہ پھر بعد میں بھی ہم اس دن روزہ رکھتے اور اپنے بچوں سے بھی روزہ رکھواتے تھے۔ انہیں ہم روئی کا ایک کھلونا دے کر بہلاتے رہتے، جب کوئی کھانے کے لئے روتا تو وہی دے دیتے یہاں تک کہ افطار کا وقت آجاتا۔ (بخاری و مسلم)۔ جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا حکم دیتے اور ہمیں اس پر ابھارتے اور اس کا خیال رکھنے کی تاکید فرماتے لیکن جب رمضان کے روزے فرض کئے گئے تو آپ ہمیں نہ اس کا حکم دیتے تھے نہ اس سے روکتے تھے نہ اس کا خیال رکھنے کی تاکید فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا۔ اہل خیبر یوم عاشوراء کا بڑا اہتمام کرتے تھے اس دن وہ لوگ روزہ رکھتے اور اس کو عید کا دن قرار دیتے اور اس دن اپنی عورتوں کو اچھے اچھے لباس اور زیورات پہناتے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا تم تو اس دن بس روزہ رکھو۔ (صحیح مسلم)

ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس کا حکم دیا، لوگوں نے ایک بار آنحضور ﷺ سے کہا کہ اس دن کو یہود و نصاریٰ بڑی اہمیت دیتے ہیں (مطلب یہ تھا کہ آپ تو ہمیں ان کی مخالفت کا حکم دیتے ہیں اور یوم عاشوراء کے معاملہ میں موافقت ہوئی جارہی ہے۔ مرعاۃ 3/ 272) تو آپؐ نے فرمایا کہ آئندہ سال اگر اللہ نے چاہا تو ہم نویں تاریخ کو روزہ رکھیں گے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگلا سال آنے سے پہلے ہی آپؐ انتقال فرما گئے۔ (صحیح مسلم)

فضائل محرم، یوم عاشوراء کی بابت یہ بعض صحیح روایات تھیں جو نقل کی گئی ہیں، ان روایات کے علاوہ بھی اس موضوع پر صحیح روایتیں آتی ہیں مگر اس سلسلہ کی تمام صحیح روایتوں کا استقاء نہ مقصود ہے نہ اس کی ضرورت، البتہ اجمالی طور پر اس بات کو واضح کر دینا ضروری ہے۔ ان روایات سے اس مہینہ میں روزہ کے سوا کوئی عمل ثابت نہیں ہے اور اس عمل پر اجر و ثواب کی بھی کوئی بہت طول طویل فہرست نہیں ہے جیسا کہ بعض موضوع و ضعیف روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ صوم یوم عاشوراء پر اجر و ثواب کے سلسلہ میں وہی صحیح روایت آتی ہے جو مسلم و ابوداؤد کے

حوالہ سے اوپر گزری کہ اس دن کے روزہ کے بدلے ایک سال گذشتہ کی خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں اور صوم ماہ محرم کو رمضان کے روزوں کے بعد افضیلت عطا کی گئی ہے۔۔۔۔۔

ماہ محرم میں اس عمل کے علاوہ جتنے اعمال وخرافات کئے جاتے ہیں وہ سب بدعات ومحدثات ہیں، شریعت سے ان اعمال کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

ماہ محرم کی بدعات اہل سنت والجماعۃ کے غور کے لئے

محرم کی شرعی حیثیت صرف اتنی ہے کہ اس میں صرف روزے رکھے جاسکتے ہیں خصوصاً عاشوراء کے دن کا روزہ بڑی فضیلت والا ہے کہ اس سے ایک سال کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں (مشکوۃ)

لیکن حسب فرمان رسول اللہ ﷺ (صوموا قبله يوما او بعده يوما) (مسند احمد) "9 یا 11 محرم کا روزہ ملا کر دو روزے رکھ لینے چاہئیں۔" اس کے علاوہ اس دن میں کسی چیز کا ثبوت نہیں۔ عام اہل اسلام خصوصاً اہل سنت و جماعت کی آگاہی کے لئے یہ گزارش کرنا ہے کہ اس ماہ میں رواج یافتہ بدعات سے اجتناب نہایت ضروری ہے۔ اس عشرے میں یا خاص عاشورے کے دن خصوصی کھانے پکانا، دانے جوش دینا، سبیلیں لگوانا، ایسی سبیلوں سے پانی پینا، ماتمی لباس پہننا، سرمہ لگانا، قبروں کی زیارت کے لئے جانا اور ان پر تازہ مٹی ڈالنے کا اہتمام کرنا وغیرہ یہ کام بدعت اور ناجائز ہیں۔ جیسا کہ شیخ عبدالحق حنفی دہلوی نے ابن حجر مکی شافعی کی "الصواعق المحرقہ" سے "ماثبت بالسنۃ" میں تسلیماً نقل کیا ہے۔ بالخصوص جو چیز حضرت حسینؓ یا کسی دوسرے کے نام کی ہو وہ ﴿ما اهل لغير الله به﴾ میں داخل اور حرام ہے۔ نیز یہ جو رواج ہوگیا ہے کہ اس عشرے میں واقعات بڑی رنگ آمیزی سے بیان کئے جاتے ہیں ان سے اجتناب بھی بڑا ضروری ہے۔ اس لئے کہ اولاً اس طرح یہ امر محرم کی خصوصیت معلوم ہونے لگی ہے جو درحقیقت نہیں ہے۔ ثانیاً اس کو صحابہ کرام خصوصاً حضرت معاویہؓ جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں کی تنقیص کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے۔۔۔ ثالثاً ان واقعات میں رونے رلانے والی بہت سی کہانیوں کا ثبوت سخت مشکوک اور مخدوش ہے۔ ان کا اکثر حصہ ایک داستان گو ابو مخنف لوط بن یحی (متوفی 175ھ) کی افسانہ طرازی ہے جو ایک کٹر قسم کا دروغ گو شیعہ بتایا جاتا ہے جیسا کہ اس طرف آٹھویں صدی کے مستند مورخ حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اس کی بعض اشتعال انگیز اور مبالغہ آمیز کہانیاں بیان کر کے اشارہ فرمایا ہے۔

(البدایہ 202/8) میزان الاعتدال۔ ص 4/ 19 طبع جدید میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔ "لا يوثق به، تركه ابو

حاتم وغیرہ و قال الدار قطنی ضعیف و قال ابن معین یس بشیء و قال ابن عدی شیعی محترق صاحب اخبار هم" ۔ایسا ہی لسان المیزان میں ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ یہ شخص کسی کام کا نہیں یہ ائمہ جرح وتعدیل کی اس شخص کے بارے میں شہادتیں ہیں۔جس کی تائید اس کی تالیف "مقتل الحسین" سے ہوسکتی ہے جو طبع ہو چکی ہے۔اس میں ایسی ایسی باتیں اس صاحب نے درج کی ہیں کہ جن کو عقل تسلیم نہیں کرسکتی۔عجائب وغرائب اور تضادات کا پلندہ ہے۔بنا بریں بلا تحقیق کوئی قصہ بیان کرنے سے نادانستگی میں کئی غلط باتوں کو شہرت ہو جاتی ہے۔جو (کفی بالمرء اثماان یحدث بکل ماسمع) کے ضمن میں آجاتا ہے۔اتفاقاً ایسا ہو گیا کہ حضرت حسینؓ کی مظلومانہ شہادت دس محرم 61ھ کو وقوع میں آگئی لیکن ایسے ہی یکم محرم کو "ایرانیوں، یہودیوں اور عیسائیوں کی سازش سے حضرت عمر فاروقؓ کو جب کہ صبح کی نماز پڑھانے کے لئے آپ تیار ہو رہے تھے، خنجر سے ناگہانی شہید کر دیا گیا جس طرح کوئی دینی حیثیت یکم محرم کو حاصل نہیں اس طرح عاشورے کے دن حضرت حسینؓ کی شہادت سے اس دن کو کوئی امتیاز نہیں ملا۔حضرت حسینؓ کی شہادت مظلومانہ اس لئے ہوئی کہ آپ کوفہ والوں کے زور دینے پر کہ آپ کوفہ تشریف لے آئیں تو اہل کوفہ یزید کی بجائے ان سے بیعت خلافت کرلیں گے مکہ معظمہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے، باوجودیکہ اکابر صحابہؓ نے ان کو بزور یہ مشورہ دیا تھا کہ آپ ہرگز کوفہ نہ جائیں نہ اہل کوفہ پر اعتماد فرمائیں" (ملاحظہ ہو تاریخ طبری، البدایہ والنہایہ وغیرہ)۔

ماتمی جلسوں، جلوسوں اور تعزیوں کی اسلام میں کوئی اصل نہیں اس قسم کی رسمیں باطنی فرقہ کے ایک بادشاہ معزالدین نے 352ھ میں ایجاد کی تھیں۔اس سے پہلے ان کا کوئی کسی زمانے میں ۔۔۔۔وجود نہیں ملتا (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ 43/11 نیز مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی کی اردو تاریخ اسلام 65/2 طبع کراچی میں اس کی تفصیل موجود ہے)۔ایک یہ رسم بھی چل نکلی ہے کہ محرم کو ماتمی مہینہ سمجھ کر اس میں شادیاں بند کر دی جاتی ہیں۔اہل سنت وجماعت کو چاہیے کہ اس خیال فاسد کو ذہنوں سے کھرچنے کی کوشش کریں اور عملاً اس غلط رسم کو حرف غلط کی طرح مٹانے کا عزم کریں، اس طرح کہ محرم میں شادیاں کریں اور دوسرے لوگوں کو بتادیں کہ محرم ماتمی مہینہ نہیں ہے۔حضرت حسینؓ کی شہادت کے بارے میں ماتم کا جو طرز اختیار کیا جاتا ہے اسلام میں اس کا قطعاً کوئی جواز نہیں۔ہماری غرض اس تحریر سے یہ ہے کہ بعض لوگوں نے تو خیر تعزیہ وغیرہ کو اپنا مذہبی شعار بنالیا لیکن اہل سنت والجماعۃ کو چاہیے کہ حقائق ثابتہ پر غور کریں۔بدعات سے بچیں۔خود نہ تعزیہ نکالنے کا ارتکاب کریں نہ اس قسم کے جلوسوں میں شامل ہوں اور نہ ہی ان کو دیکھ کر دینی دنیاوی مشکلات سے دوچار ہونے کے اسباب پیدا کریں۔

مصیبت کے وقت صبر یا ماتم؟

تحریر مولانا محمد منشاء کاشف فیصل آباد

﴿قال اللہ تعالی ، یا ایھا الذین امنوا استعینوا بالصبر و الصلوۃ ان اللہ مع الصابرین ﴾(البقرہ۱۵۳) "اے ایمان والوں صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے" آیت ھذا میں مسلمانوں کو صبر اور ساتھ ہی نماز کا حکم دیا ہے۔صحیح مسلم میں حضرت صہیب رومیؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "مسلمان آدمی کو ہر طرح بھلائی پہنچ سکتی ہے۔نعمت کے وقت شکر اور مصیبت کے وقت صبر کرے جس طرح صبر کرنے سے مصیبت ہلکی ہو جاتی ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے نماز میں ایک اثر مصیبت کے ہلکا کر دینے کا رکھا ہے مصیبت کے وقت صبر کرنے کی فضیلت واجر وثواب میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔

صبر کے لغوی معنی:۔

مصیبت کی شکایت نہ کرنا، رک جانا، مجبور کرنا، لازم کر دینا، بند کر دینا، دلیری کرنا۔صبر ایک عظیم الشان وصف ہے اور بہت سی برائیوں کے لئے ڈھال کا کام دیتا ہے۔قرآن مجید میں ستر سے زیادہ مقامات پر اس کی فضیلت کا اعلان کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بہت سے مراتب علیا اور درجات رفیعہ کا اعزاز اسی صبر پر رکھا ہے ۔حضرت محمد ﷺ کے لئے فرمایا: ﴿فاصبر کما صبر اولو العزم من الرسل ﴾(الاحقاف:۳۵) "اے محمد ﷺ آپ اسی طرح صبر کریں جس طرح اولوالعزم رسولوں نے کیا"۔اسی طرح حدیث میں ہے(عن صھیبؓ قال قال رسول اللہ ﷺ عجبا لا مر المومن ان امرہ کلہ لہ خیر و لیس ذ لک لا حد الا للمومن ان اصابہ سراء شکر فکان خیراً لہ ، و ان اصابہ ضراء صبر فکان خیراً لہ (صحیح مسلم) "حضرت صہیبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کا معاملہ کس قدر اچھا ہے اس کے جملہ امور اس کے لئے خیر و برکت کا باعث ہیں اور یہ استحقاق صرف مومن کو حاصل ہوتا ہے اگر اس کو کوئی خوش کن بات پہنچتی ہے تو وہ شکر یہ ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگر اس کو تکلیف دہ خبر پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو کہا﴿ یا ایھا الذین امنوا استعینو ا بالصبر و الصلوۃ ان اللہ مع الصابرین ﴾ "اے صاحبان ایمان اللہ سے مدد چاہو صبر اور نماز کے ذریعے بے شک اللہ

صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" ۔

آپ رحمۃ للعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا(الصبر نصف الایمان) (بیہقی شریف)"صبر نصف ایمان ہے" نبی اکرم ﷺ سے ایک مرتبہ ایمان کی تعریف پوچھی گئی تو آپؐ نے فرمایا"صبر اور دریا دلی"۔

حقیقت میں صبر ایک ایسی صفت کا نام ہے جس کے ذریعے انسان برائیوں سے باز رہ سکے اور نفس ان کی طرف اقدام سے رک جائے اس لئے یہ صرف انسان ہی کا خاصہ ہے اور تمام حیوانات سے اس کو امتیاز بخشا ہے ۔صبار شکور سے مراد ایمان والے ہیں۔حدیث میں آیا ہے کہ ایمان کے دو حصے ہیں۔ایک حصہ صبر اور ایک حصہ شکر ،صبر بندر ہنا خواہش نفس سے،شکر قائم رہنا اچھے کام پر،اس لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا(من یرد الله به خیراً یصب منه)"اللہ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو مصائب میں گرفتار رکھتا ہے" (بخاری شریف)۔

ایک حدیث پاک اس طرح سے ہے(قال رسول الله ﷺ ان عظم الجزاء مع عظم البلاء و ان الله اذا احب قوما ابتلا هم فمن رضی فله الرضا و من سخط فله السخط) "یعنی جزا کی عظمت مصیبت کے عظیم ہونے کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کے ساتھ محبت فرماتا ہے تو ان کو تکالیف میں مبتلا کر دیتا ہے پس جو ان تکالیف پر راضی ہوا تو اللہ بھی اس سے راضی ہو جائے گا اور جو ان سے تنگ دل ہوا تو اللہ رب العزت بھی ایسے لوگوں سے ناراض ہوگا"۔پس جتنی بھی مصیبت بڑی ہوگی تو اس کی جزاء بھی اتنی ہی عظیم ہوگی۔صبر کی تمام اقسام کا جامع بیان قرآن مجید کی اس آیت میں کیا گیا ہے۔﴿ لیس البر ان تولوا وجوهکم قبل المشرق و المغرب و لکن البر من آمن بالله و الیوم الأخر و الملئکة و الکتاب و النبیین و اتی المال علی حبه ذوی القربی و الیتامی و المساکین و ابن السبیل والسائلین و فی الرقاب و اقام الصلوٰة و اتی الزکوة و الموفون بعهدهم اذا عٰهد وا والصبرین فی الباساء و الضراء و حین الباس اولٰئک الذین صدقو ا و اولٰئک هم المتقون ﴾ (البقرہ:۱۷۷)

"سارا کمال اسی میں نہیں آ گیا کہ تم اپنا منہ مشرق کو کر لو یا مغرب کو لیکن اصلی کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتب سماویہ پر اور پیغمبروں پر بھی اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتے داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور (بے خرچ) مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص (ان عقائد و اعمال کے ساتھ یہ اخلاق بھی رکھتے

ہوں کہ) اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کرلیں اور جو لوگ مستقل رہنے والے ہوں ۔یعنی صبر کرنے والے ہوں تنگ دستی اور بیماری میں اور وقت لڑائی کے، یہ لوگ ہیں جو سچے کمال کے ساتھ موصوف ہیں اور یہی لوگ ہیں جو سچے متقی کہے جاسکتے ہیں ۔اور ہر قسم کی مصیبتوں اور مضرتوں اور میدان جنگ کی ہولنا کیوں میں صبر کرنے والے ہی دراصل صادق ہیں اور یہی متقی و پرہیز گار ہیں ۔یعنی جو ابتلا پر راضی رہا اور اللہ پر حسن ظن کر کے اپنا معاملہ اس کے حوالے کر دیا اور اپنی مصیبت پر اخروی اجر ملنے کی امید اللہ سے رکھ کر اس اجر کا طالب ہوا تو بے شک ایسے شخص سے اللہ راضی ہوگا اور جس سے اللہ راضی ہوا تو اس نے اپنا مقصد پالیا اور آخرت کی تکالیف سے نجات مل گئی (عن ابی امامۃؓ عن النبی ﷺ قال یقول اللہ تبارک و تعالیٰ یا ابن آدم ان صبرت و احتسبت عند الصدمۃ الاولی لم ارض لک ثوابا دون الجنۃ)(سنن ابن ماجہ)"حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے ۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس مسلمان مرد اور عورت کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ اس پر صبر کرے اللہ سے ثواب کا طالب ہو تو اسے جنت کی صورت میں صلہ ملے گا"۔مذکورہ حدیث کی روایت حضرت حسینؓ نے اپنے نانا سے کی ہے ۔نبی اکرم ﷺ اور حضرت حسینؓ کے ساتھ محبت کرنے والے کو اس حدیث پر عمل کرنا چاہیے اور اس کے خلاف عمل کرنے والے کو اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہیے ۔صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو قبر کے پاس رو رہی تھی ۔آپؐ نے فرمایا (اتقی اللہ و اصبری) "اللہ سے ڈرو اور صبر کرو" وہ کہنے لگی پرے ہٹو تم پر مجھ جیسی مصیبت تھوڑی پڑی ہے۔۔۔اس نے آپؐ کو پہچانا نہیں لوگوں نے اس سے کہہ دیا کہ آپؐ نبی تھے وہ عورت نبی ﷺ کے دروازے پر آئی وہاں دربان وغیرہ کوئی نہ تھا وہ عورت کہنے لگی میں نے آپؐ کو پہچانا نہیں تھا۔حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے عورت کہنے لگی انا اصبر انا اصبر حضور مجھ سے غلطی ہوگئی اب میں صبر کرتی ہوں اب میں صبر کرتی ہوں تب آپؐ نے فرمایا" رو پیٹ کر سب ہی صبر کر لیتے ہیں اجر و ثواب کے لائق تو وہ صبر ہے جو پہلی چوٹ پر ہو صدمہ پہنچتے ہی صبر کر کے زبان سے کوئی شکوہ شکایت نہ کرے"۔

ایک اور حدیث جو بخاری شریف میں انس بن مالکؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ابوسیف لوہار کے گھر پر گئے وہ آپ کے بیٹے ابراہیم کی رضائی ماں کے خاوند تھے ۔رسول اللہ ﷺ نے ابراہیم کو لے کر بوسہ لیا اور سونگھا پھر اس کے بعد دوبارہ ابوسیف کے گھر گئے تو دیکھا کہ آپ کا بیٹا ابراہیمؓ دم توڑ رہا

تھا یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ آپؐ سے کہنے لگے یا رسول اللہ آپ بھی رو رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا "عوف کے بیٹے، یہ تو رحمت ہے" دوبارہ پھر آپؐ رونے لگے اور فرمایا(ان العین تدمع و القلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا و انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون)"یقیناً آنکھ روتی ہے اور دل رنجیدہ ہوتا ہے مگر ہم زبان سے وہی کہتے ہیں جو ہمارے رب تعالیٰ کو پسند ہے بے شک اے ابراہیمؑ ہم تیری جدائی سے مغموم ہیں"۔ چونکہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ آپ ﷺ سے صبر کی فضیلت و ترغیب اور بے صبری کی ممانعت سن چکے تھے۔ اس لئے آپ کی آنکھوں سے آنسو نکلتے ہوئے دیکھ کر متعجب ہو کر کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپؐ نے رونے سے منع نہیں کیا؟ لوگ تو مصیبت کے وقت بے صبری کرتے ہیں اب آپ بھی ان کی طرح کرنے لگے۔ آپؐ نے جواب دیا" اے ابن عوف! میرا یہ رونا بے صبری کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ رحمت ہے اور رقت قلب ہے جو والد کو اپنی اولاد پر ہوا کرتی ہے"۔ پھر فرمایا" حماقت و جہالت کی دو آوازیں شرعاً ممنوع ہیں۔ ایک گانے بجانے کی آواز، دوسری مصیبت کے وقت چیخنا چلانا، منہ نوچنا، گریبان پھاڑنا، سینہ کوبی کرنا، شیطان کی طرح واویلا کرنا"۔ امام ترمذیؒ بھی اس کو مختصر لائے ہیں اور حسن کہا ہے۔ پھر فرمایا" یہ آنکھوں سے آنسو بہنا تو رحمت ہے جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا"۔ ایک روایت میں ہے" آخر میں بھی تو انسان ہی ہوں بقضائے بشریت میرے آنسو نکل پڑے"۔ ایک روایت میں ہے کہ "میں نوحہ سے منع کرتا ہوں کہ آدمی چیخ چلائے اور میت کے غلط اوصاف بیان کر کے روئے"۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے نبی اللہ کی مشیت و قضاء کے آگے مجبور و لاچار اور بے بس ہیں کس قدر صدمہ ہے رو رہے ہیں لیکن بجز صبر و شکر کے کوئی چارہ نہیں اپنے بچے کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتے۔ اس واقعہ کو سامنے رکھ کر ذرا اہل بدعت کی غلط بیانی کے بارے میں بھی سوچئے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ملک الموت سے روحوں کی زنبیل چھین کر مردوں کو دوبارہ زندہ کر دیا یا بارہ برس کے بعد کشتی مع بارات کے ڈوبی ہوئی نکال دی وغیرہ وغیرہ۔ کیا نعوذ باللہ پیر جیلانیؒ محمد مصطفیٰ ﷺ سے بھی بڑھ کر تھے۔ اللہ تعالیٰ ایسے باطل عقیدوں سے محفوظ رکھے۔ (امین)

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ(لیس منا من ضرب الخدود و شق الجیوب و دعا بدعوی الجاھلیۃ) (بخاری و مسلم)"جو شخص مصیبت کے وقت منہ نوچے اور گریبان پھاڑے اور جاہلی کلمات زبان سے نکالے وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔ اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔(النائحہ اذا لم تتب

قبل موتها تقام يوم القيامة و عليها سربال من قطران و درع من جرب) (صحیح مسلم) "نوحہ کرنے والی اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے قیامت کے دن جب اس کو قبر سے اٹھایا جائے گا تو اس پر جہنم کا لباس ہوگا"۔ "اور نبی علیہ السلام نے اس عورت پر لعنت کی ہے جو منہ نوچے، گریبان پھاڑے، واویلا کرے اور ہلاکت کو پکارے"۔ (سنن ابن ماجہ) ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔ (عن ابی سعید الخدری قال لعن رسول الله ﷺ النائحة و المستمعة) (ابوداؤد) "حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ لعنت فرمائی ہے رسول اللہ ﷺ نے نوحہ کرنے والی اور نوحہ سننے والی عورت پر"۔

میت پر رونے سے حضور ﷺ کا منع کرنا:

(عن ابن عباس لما ماتت زینب بنت رسول الله ﷺ فبكت النساء فجعل عمر يضر بهن بسوطه فاخره رسول الله ﷺ بيده و قال مهلا يا عمر ثم قال ايا كن و نعيق الشيطان ثم قال انه مهما كان من العين و من القلب فمن الله عزوجل و من الرحمة وما كان من اليدو من اللسان فمن الشيطن) (مسند احمد)" حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو عورتیں رونے لگیں۔ حضرت عمرؓ نے رونے والی عورتوں کو اپنے چابک سے مارا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو اپنے ہاتھ سے ہٹایا اور فرمایا عمرؓ نرمی اختیار کرو اسکے بعد آپ ﷺ نے عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا دور رکھو اپنے آپ کو شیطان کی آواز سے (یعنی چلا چلا کر رونے سے) پھر آپ ﷺ نے فرمایا جو کچھ کہ ہو آنکھ سے (یعنی آنسو) اور جو کچھ کہ ہو دل سے (یعنی غم) یہ اللہ کی طرف سے ہے اور رحمت سے ہے اور جو کچھ ہاتھ اور زبان سے ہو (یعنی سر پیٹنا) کپڑے پھاڑنا، بال کھسوٹنا اور چلانا، نوحہ کرنا، بین کر کے رونا، یہ سب شیطان کی جانب سے ہے"۔ اور آگے ایک اور حدیث میں ہے۔

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں سے ایک شخص کا انتقال ہوگیا۔ (یعنی آپ کی بیٹی حضرت زینبؓ) تو عورتیں جمع ہوئیں اور رونے لگیں۔ حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور رونے سے ان کو منع کیا اور جھڑکا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا۔ "عمر ان کو انکے حال پر چھوڑ دو اسلئے کہ آنکھیں روتی ہیں اور دل مصیبت زدہ ہے۔ اور مرنے کا وقت قریب ہے"۔ (احمد و نسائی) مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوا ہے کہ کسی میت پر خواہ میت مرد کی ہو یا عورت یا بچی یا بچے کی ہو یا آل رسولؐ میں سے کسی کی ہو اس پر رونا چلا چلا کر واویلا کرنا،

گریبان پھاڑنا یا سینہ کوبی کرنا، سر پیٹنا، کپڑے پھاڑنا کسی قسم کا ماتم کرنا یہ سب کام شیطانی ہیں۔ شیطانی کام میں حصہ لینے والوں کو سختی سے روکنا چاہیے عام میت کے لئے یہ کام شیطان ہے جو لوگ اللہ کے راستہ پر اپنی جان قربان کر کے شہید ہو جاتے ہیں ان کے لئے واویلا کرنا اور ماتم کرنا کیسے جائز ہے اگر کسی گروہ کو شوق ہے سینہ کوبی کرنے کا تو اپنی قسمت کا ماتم کرے۔ حضرت حسینؓ کا نام پکار پکار کر ماتم کرتے ہیں ایسے لوگوں کا سختی سے محاسبہ کرنا چاہیے جو لوگ ان کی ممانعت نہیں کرتے ان کے ایمان کی کمزوری ہے تمام اہل توحید کو مل جل کر اس فتنے کو ختم کرنا چاہیے۔ دعا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ صحابہ کرامؓ کا دفاع کرنے کی قوت عطا فرمائے۔ امین ثم امین۔

﴿و لنبلو نکم بشئی من الخوف و الجوع و نقص من الاموال و الانفس و الثمرات و بشر الصبرین o الذین اذا اصابتهم مصیبة قالو ا انا لله وانا الیه راجعون o اولئک علیهم صلوات من ربهم و رحمة و اولئک هم المهتدون﴾ o (البقرہ:۱۵۵۔۱۵۶۔۱۵۷)

" اور ہم تم کو کچھ ڈر، کچھ بھوک، کچھ مال، کچھ جان، کچھ پیداوار اور اولاد کے نقصان سے آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیں۔ ان کو جب کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو کہتے ہیں، ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف جانے والے ہیں۔ انہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی بخشش اور مہربانی ہوگی اور وہی بہشت کا راستہ پائیں گے"۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ اپنے بندوں کی آزمائش ضرور کرتا رہتا ہے کبھی ترقی اور بھلائی سے اور کبھی تنزلی سے یعنی کبھی مال و جان میں برکت و فائدہ دیتا ہے۔ دولت و اولاد میں فراوانی و کثرت فرما دیتا ہے اور کبھی ان میں کمی کر دیتا ہے دولت چوری ہو جاتی ہے دوکان میں آگ لگ جاتی ہے یا کھیتی باڑی باغات وغیرہ کا اناج پھل وغیرہ جل جاتے ہیں یا تجارت میں خسارہ ہو جاتا ہے اور بعض مرتبہ آدمی دیوالیہ ہو کر دانے دانے کو ترس جاتا ہے سو یہ سب باتیں اللہ کی طرف سے بطور آزمائش و امتحان کے ہوتی ہیں۔ جس نے ان نقصانات پر صبر کیا ان کے لئے خوشخبری ہے جنت کی اور یہ اللہ کا قانون ہے کہ وہ امتحان و آزمائش کرتا ہے۔ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات موجود ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا﴿ احسب الناس ان یترکوا ان یقولو ا امنا و هم لا یفتنون o ولقد فتنا الذین من قبلهم فلیعلمن الله الذین صدقوا و لیعلمن الکذبین﴾ (العنکبوت:۲۔۳) " کیا لوگوں نے یہ گمان اور خیال کر لیا ہے کہ وہ صرف آمنا کہنے پر ہی چھوڑ دیئے جائیں گے اور وہ آزمائے نہیں جائیں گے ہم نے، ان سے پہلے لوگوں کی بھی آزمائش کی تو جن لوگوں نے

سچے دل سے اقرار کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی ظاہر کر دیا اور جھوٹوں کو بھی" ۔

مقام غور:

خوف سے مراد دشمنوں کا ڈر ہے اور جوع سے بھوک ہے۔ یعنی کھانے پینے کے لئے اس کے پاس کچھ نہ رہے گا گھر میں فاقہ ہوگا، ہاتھ تنگ ہو جائے گا، برادری سے لوگ نکال سکیں گے، گاؤں میں رہنا تنگ کر دیں گے، چاروں طرف سے اولیاء اللہ کے منکر کے آوازے کسے جائیں گے۔ دوکان پر مال لینا بند کر دیں گے۔ اگر ایسی حالت میں ان دشمنوں سے بے خوف ہو کر اور فقر و فاقہ کی پرواہ کئے بغیر اللہ کے رسول ﷺ کے لائے ہوئے سچے مذہب پر گامزن رہا اور دشمنوں کی تکلیفوں پر صبر کیا تو وہ فرماتا ہے و ﴿بشر الصابرین﴾ میرے ایسے صبر کرنے والے بندے کو خوشخبری دے دو کہ اسے دنیا فانی کی چند روزہ تکالیف، مصیبتوں کے بعد ہمیشہ ہمیشہ تیرے لئے راحت و آرام اور عیش و عشرت ہے اور جن لوگوں میں مذکورہ صفات پائی جاتی ہیں وہ کون لوگ ہیں؟ اور ان کی علامت و نشانی کیا ہے؟ ﴿الذین اذا اصابتھم مصیبة قالو ا انا للہ و انا الیہ راجعون﴾ "ان لوگوں کو جب کوئی مصیبت، دکھ، بیماری اور تکلیف پہنچتی ہے تو وہ "انا للہ" پڑھ لیا کرتے ہیں" اور اس بات سے اپنے دل کو تسلی دے لیا کرتے ہیں کہ وہ پروردگار دو عالم کی ملکیت میں اور جو تکلیف اور مصیبت ان کو پہنچتی ہے وہ اسی کی طرف سے ہے اور پھر وہ قیامت کے دن اس کا بدلہ اجر و ثواب بھی عنایت فرمائے گا اور بالآخر سب نے اسی کے پاس جانا ہے ان کے اس قول اور صبر کی وجہ سے اللہ کی رحمتیں و نوازشیں اور انعام و الطاف ان پر نازل ہوتے ہیں۔ عذاب سے نجات ملتی ہے اور ہدایت بھی نصیب ہوتی ہے جیسا کہ ۔﴿ھم المھتدون﴾ سے ظاہر ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت ام سلمہ ؓ فرماتی ہیں میرے خاوند ابو سلمہؓ ایک روز میرے پاس نبی ﷺ کی خدمت میں سے حاضر ہو کر آئے اور خوشی خوشی فرمانے لگے آج تو میں نے ایک ایسی حدیث سنی ہے کہ میں بہت ہی خوش ہوا ہوں وہ حدیث یہ ہے کہ جس کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے اور وہ یہ کہے (اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیر امنھا) اے اللہ مجھے اس مصیبت میں اجر دے اور مجھے اس سے بہتر بدلہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اسے اجر اور بدلہ ضرور ہی دیتا ہے۔ حضرت ام سلمہ ؓ فرماتی ہیں "میں نے اس دعا کو یاد کر لیا، جب حضرت ابو سلمہؓ کا انتقال ہوا تو میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر یہ دعا پڑھی لیکن مجھے خیال آیا کہ بھلا ابو سلمہؓ سے بہتر شخص مجھے کون مل سکتا ہے؟ جب میری عدت گزر چکی تو میں ایک روز کھال کو رنگ دے رہی تھی کہ نبی ﷺ تشریف لائے اور

اندر آنے کی اجازت چاہی میں نے اپنے ہاتھ دھوڈالے اور کھال رکھ دی اور آپ ﷺ سے اندر تشریف لانے کی درخواست کی اور آپ ﷺ کو ایک گدی پر بٹھا دیا اور آپ ﷺ نے مجھ سے اپنا نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی میں نے کہا حضور ﷺ یہ تو میری خوش قسمتی کی بات ہے لیکن اول تو یہ کہ میں بہت باغیرت عورت ہوں ایسا نہ ہو کہ آپؐ کی طبیعت کے خلاف کوئی بات مجھ سے سرزد ہو جائے اور اللہ کے ہاں عذاب ہو، دوسرا یہ کہ میں عمر رسیدہ ہوں، بال بچوں والی ہوں، آپؐ نے فرمایا سنو! ایسی بے جا غیرت اللہ تعالیٰ تمہاری دور کرے اور تمہارے بال بچے میرے ہی بال بچے ہیں میں نے یہ سن کر کہا" پھر حضور ﷺ نے فرمایا مجھے کوئی عذر نہیں، چنانچہ میرا نکاح اللہ کے نبی ﷺ سے ہو گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے میرے خاوند سے بہت ہی بہتر یعنی اپنا حبیب سید المرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ عطا فرمائے۔ فالحمد لله علی ذالک (تفسیر ابن کثیر) OO

(بشکریہ ہفت روزہ اہل حدیث لاہور)

رئیس الجامعہ کے تبلیغی پروگرام

مورخہ 5 مارچ جامع مسجد اہل حدیث کالا گجراں اور مورخہ 6 مارچ جامع مسجد اہل حدیث کوٹلہ آئمہ میں درس قرآن وحدیث ارشاد فرمایا۔ بعد میں سوال وجواب کی نشست بھی ہوئی۔

بابو بشیر احمد کا سانحہ ارتحال

مورخہ 16 جنوری بروز اتوار جماعت کی بزرگ شخصیت بابو بشیر احمد طویل علالت کے بعد 95 برس کی عمر میں اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم ایک دین دار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ صوم وصلوۃ کے انتہائی پابند تھے۔ آپ اکثر وبیشتر قرآن کریم کی تلاوت اور تفسیر کا مطالعہ کرتے۔ اس وجہ سے ان کے اندر خوف الٰہی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ دوستوں سے محبت و پیار کرتے اور صدقہ وخیرات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے بالخصوص پوری زندگی انہوں نے جامعہ علوم اثریہ کے ساتھ بڑھ چڑھ کر تعاون کیا۔ مرحوم کی نماز جنازہ رئیس الجامعہ نے پڑھائی۔ مرحوم نے لواحقین میں تین بیٹے ایک بیٹی چھوڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے۔ امین۔